آرا وافکار

مولانا محمد تہامی بشر علوی*

مذہبی فرقہ واریت: اسباب، نقصانات اور اصلاحی تجاویز

انسانی مزاج و مذاق کے تنوعات، فکر ونظر کی نے رنگیاں، عقل وفہم کی اونچ نیچ، اسالیب غور وخوض میں کھلا تفاوت اور تاثرات واحساسات کا اپنا اپنا مستقل جہاں، یہ وہ ناقابل انکار حقیقتیں ہیں جو تعبیر مذہب کے ضمن میں بھی پوری طرح جلوہ گر دیکھی جاسکتی ہیں۔ مذہبی تعبیر کے تنوعات، افکار کا جہاں آباد کرتے ہیں تو افکار نظریہ واعتقاد کا جزو بن جاتے ہیں۔ یوں ہر نظریہ وعقیدہ اپنے حاملین تلاش کرتا ہے۔ نتیجہ معلوم کہ مذہبی برادری مختلف عقائد ونظریات میں بٹ جاتی ہے۔ پھر بتدریج یہ تنوع، غلو وتعصب کی اور یہ تعصب، تفرق وتشتت کی مکروہ صورتوں میں ظہور پذیر ہونے لگتا ہے جسے ہم تفہیم کی خاطر ''فرقہ واریت'' کا عنوان دے سکتے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جب مذہب کے نام پر خود مذہب سمیت ہر انسانی قدر خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ''فرقہ وارانہ'' تجاوزات وراُس کی ہلاکت آفرینیاں! بس الامان والحفیظ! لیکن اہل مذہب اس ہلاکت آفریں اور پُرخطر مقام پر کیوں پہنچے؟ اُس کے بنیادی اسباب کیا تھے؟ ذیل کی سطور میں اس بات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(۱) **ترکِ قرآن:** مذہبی فرقہ واریت کا بنیادی سبب یہی ہے کہ اہل مذہب قرآن کو خدا کے نازل کردہ ایک ''نصب العین'' کے طور پر لینے کی بجائے محض میراث میں ملی ایک ایسی کتاب کی صورت میں قبول کیے ہوئے ہیں کہ جسے محض اپنے نظریات کی تائید کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اُن کا معاملہ قرآن کے ساتھ یہ نہیں کہ بالکل خالی الذہن ہوکر آئیں اور قرآن سے عقیدہ ونظریہ کے باب میں راہنمائی لے لیں۔ بلکہ یہاں ترتیب یہ قرار پا چکی ہے کہ پہلے دل ودماغ میں مزعومہ عقائد ونظریات پوری پیوستگی کے ساتھ جما کر قرآن کے حضور آیا جائے اور پھر انہیں مزعومہ عقائد ونظریات کو قرآن سے کشید کرنے میں مہارتوں کے جوہر دکھلائے جائیں۔ قرآن کو حق تدبر نہ دینا وہ مجرمانہ غفلت ہے جس کا خمیازہ ''فرقہ واریت'' کی صورت میں ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ وہ عقائد جو کسی مسلمان کے لیے ضروری ہوسکتے ہیں، جن پر نجات کا مدار ہے، قرآن نے انہیں بیان کرنے میں کوئی ابہام چھوڑا اور نہ ہی کوئی خفا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ رب تعالیٰ انسانیت کے نام ہدایت نامہ بھیجے اور اس میں انساں کی نجات کے لیے ضروری عقائد کو ہی بیان نہ کرے یا اُس

* دارالعلوم تعلیم القرآن، پلندری، آزاد کشمیر۔ basharalawi47@gmail.com

میں کوئی اجمال وابہام چھوڑ دے، یہاں تک کہ انسانیت گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتی پھرے۔اس حوالہ سے قرآن صریح اور واضح ہے۔اگر کوئی کمی ہے تو یہی کہ ''رجوع الی القرآن'' کو کما حقہ اہمیت نہیں دی گئی۔یقیناً وہ مزعومہ نظریات بھی قرآن کی تعبیر وتشریح کے نام سے رواج پا چکے ہیں۔لیکن 'الفرقان' کہ جو حق و باطل میں خط امتیاز کھینچ دے اور 'المیزان' کہ جو تمام نظریات وعقائد کی جانچ پرکھ کی کسوٹی بن سکے، وہ تو بس بہر حال 'القرآن'' ہی ہے۔قرآن افتراق سے بچنے کے لیے ''**واعتصموا بحبل اللہ**'' کا نسخہ اسی لیے تجویز کرتا ہے اور ترک قرآن کے انجام سے ''**ولاتفرقوا**'' کی صورت میں خبردار کرتا ہے۔

(۲) **''غلو'':** مذہبی فرقہ واریت کا دوسرا بنیادی سبب مذہبی معاملات میں مختلف طرح سے برتا جانے والا ''غلو'' ہے۔کبھی تو اپنے فہم دین کو ''الفرقان'' اور ''المیزان'' کی حیثیت دے کر سارے جہاں کی اسلامیت اور ''مذہبیت'' کو اسی کسوٹی پر لا کھڑا کر دیا جاتا ہے اور اپنے فہم سے ٹکراتے ہر دوسرے فہم کو گمراہ، ضلالت، باطل اور نامعلوم کن کن عنوانوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اپنے فہم کے حوالہ سے یہ وہ بڑھا ہوا غلو ہے کہ اسلام میں اس کی تعلیم تو درکنار، وہ محض رسمی طور پر بھی ساتھ کھڑا ہونے سے صاف انکاری ہے۔''غلو'' کے شعبوں میں ایک شعبہ ''جماعتی غلو'' کا بھی ہے جس کا لازمی نتیجہ دوسری تنظیموں اور شعبہ جات کو غیر اہم سمجھنے کا رویہ ہے۔اس نوع کے غالی لوگ کسی ''دینی مقصد'' کی خاطر اپنائی جانے والی مخصوص ترتیب وطریق کو مقصد سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور ایک وقت میں تو مقصد ان کی نگاہوں سے بالکل ہی اوجھل ہو جاتا ہے۔اسی غلو کا ایک نمونہ ''تعظیمی ومدحیاتی'' غلو کی صورت میں بھی دیکھا جا سکتا ہے جب کسی شخصیت کی یوں تعظیم کی جائے کہ کسی دوسری بڑی ہستی کی تنقیص لازم آنے لگے یا تقابل کی فضا قائم کر کے ''مدح وثنا'' کے پُل باندھتے باندھتے مقابل کی تنقیص کا پہلو نکل آئے۔دیکھیے، اہل اسلام کے مرکزی مرجع ومنبع محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدحیاتی غلو کی جڑ کیسے کاٹی۔فرمایا: ''**لاتطرُونی کما اطرت النصاریٰ المسیح بن مریم**''، ''یعنی نصاریٰ کی مانند تم بھی پیغمبر کی مدح میں اتنے آگے نہ نکل جانا کہ اللہ کی تنقیص لازم آنے لگے۔اور فرمایا کہ ''**لاتقولوا انا خیر من یونس بن متیٰ**'' یعنی تقابل کی فضا قائم کر کے مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دیا کرو۔غور کیجیے! کیا یہ وہی بات نہیں، جو قرآن نے یوں سمجھانا چاہی کہ '' **لانفرق بین احد من رسلہ**''کہ اعتقاد وتعظیم کا حق تمام پیغمبروں کو مساوی دیا جانا چاہیے۔اس جہت سے تفریق بین الرسل قرآنی نظریہ بہر حال نہیں ہو سکتا۔

(۳) **پیغمبرانہ دعوت سے انحراف:** تیسرے سبب کے طور پر دعوتی نقص کو گنوایا جا سکتا ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پیغمبروں کی دعوت دین ہمیشہ صحیح جذبہ، صحیح طریقہ اور صحیح نیت پر مبنی رہی۔ناصحانہ اسلوب، سچی تڑپ، بے آمیز کھری نیت، حکیمانہ طرز، قول لین، مجادلہ بالاحسن اور بشارت وانذار اس کے لوازمات سمجھے جا سکتے ہیں۔مگر افسوس اہل مذہب نے عموماً اس مثبت اور تعمیری دعوت کی ساری چولیں ہلا کر رکھ دیں۔اہل مذہب کی اکثریت کے ہاں مناظرانہ کج بحثی، تنقیدی تلخ نوائی اور کرخت لہجہ وللکار قریباً معمول کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔نتیجہ معلوم کہ تلخیاں بامِ عروج تک جا پہنچیں۔اب تو مختلف الخیال اہل مذہب کے مابین مباحثے ومناظرے تک بھی پولیس انتظامیہ کی نگرانی کے بغیر قریباً

ناممکن ہو چکے ہیں۔

(۴) **بے مہار خطابت:** بلاشبہ فن خطابت اپنی ضرورت وافادیت کے پیش نظر ہر دور میں اہم رہا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خطابت ایک دو دھاری تلوار کی مانند ہے۔ اگر باقاعدہ حکمت عملی کے ساتھ اہل افراد کے ہاتھوں یہ ضرورت پوری ہوتی رہے تو عوام کے لیے ترغیب، ترہیب اور تعلیم کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس کے ذریعہ رائے عامہ کو منظم کیا جاتا ہے اور یہی خطابت جذبات کو رخ دے کر اہم مقاصد کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ لیکن یہی فریضہ نااہل، ناقص العلم اور بے مہار خطبا انجام دینے لگ جائیں تو یقیناً عوامی جذبات کا بے دردی سے استحصال شروع ہونے لگتا ہے، دلوں میں عصبیتوں کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ پھر انہیں شعلوں کی روشنی میں ''فرقہ واریت'' کے ناجائز محلات تعمیر کر کے ان کی پیشانی پر ''قصرِ غیرت دینی'' لکھ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اطراف میں پھیلی فرقہ واریت کا رنگ گہرا کرنے میں سب سے زیادہ دخل اسی علم واخلاق سے عاری منہ زور خطابت کا بھی ہے۔

(۵) **بغی:** فرقہ وارانہ فضا قائم بلکہ پختہ کرنے میں کارفرما عناصر میں مضبوط ترین عنصر ''بغی'' ہے۔ اس مرض کے مریض اہل مذہب معاونت کی بنیادوں پر تعمیری سفر کرنے کی بجائے معاندت کا کلہاڑا اٹھائے پہلے سے موجود تعمیر کو بھی پیوند خاک کر دینا چاہتے ہیں۔ اسلام کی خاطر کوشاں کسی دوسرے فرد یا جماعت کو رفیق سمجھنے کی بجائے اپنا فریق وحریف یقین کرتے ہیں۔ یہ وہ مہلک مرض ہیں جن کے ہوتے ہوئے ''وحدت امت'' کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ شاید اسی وجہ سے قرآن نے اس طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھا: ''**کان الناس امة واحدة ..... وما اختلف فیه الا الذین اوتوه من بعد ما جاء هم العلم بغیاً بینهم**'' یعنی انسانیت میں موجود وحدت کا جنازہ اسی بغی کے ہاتھوں نکلا تھا۔

(۶) **نیم مذہبی قیادت:** کسی دینی غرض سے بنائی جانے والی تنظیموں اور جماعتوں کے لیے معقول معیار نہ ہونا بھی ''فرقہ واریت'' کا سبب بن رہا ہے۔ جماعت، تنظیم یا تحریک کن شرائط پر بننی چاہیے؟ ان کے سربراہ کے لیے میرٹ کیا ہے؟ یہ اور اس طرح کے دیگر لوازمات جماعت تا حال ہماری سنجیدہ توجہ کے مستحق نہ بن سکے۔ ''مطلوبہ دینی مقاصد'' شاید اتنے نہیں جتنی ہمارے ہاں تنظیموں اور جماعتوں کی بھرمار ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اکثر جماعتوں کے سربراہان اور قائدین اہلیت وصلاحیت کے اعتبار سے شاید بیسویں لائن کے لوگ بھی نہیں ہوتے جنہیں منصب قیادت نے بہت نمایاں کر کے ''صف اول'' کا جزلاینفک'' بنا رکھا ہوتا ہے۔ ''نیم ملا خطرہ ایمان'' کا عملی ظہور انہیں جماعتوں کے کئی اعتبارات سے ''نیم'' قائدین کی صورت میں ہمارے سامنے ہو چکا ہے۔ مذہب کے نام پر کسی فساد کی نشاندہی کیجیے اور اس کی بنیادوں تک پہنچنے کا سفر جاری رکھیے، یقیناً ہر مذہبی فساد کے پیچھے کوئی نہ کوئی ''نیم'' ضرور کھڑا نظر آئے گا، عام اس سے کہ وہ علم میں نیم ہو، عمل میں، اخلاق میں یا پھر عقل وحکمت کے لحاظ سے۔ بہر حال اس نیم مذہبی قیادت نے بھی ''فرقہ واریت'' کا ماحول تشکیل دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

(۷) **ترجیحات کی غلط ترتیب:** انسان اعلیٰ سے اعلیٰ نظام سے وابستگی اختیار کر لے، چاہے جتنی عمدہ سے عمدہ تربیت حاصل کر لے، کبھی اپنے سے قہر وغضب کی مطلقاً نفی نہیں کر سکتا۔ ان صفات کے خالق نے انسانی فطرت کی

حقیقت کے پیش نظر یوں ارشاد فرمایا کہ ''ان الشیطٰن لکم عدو فاتخذوا ہ عدو ا'' ! یعنی قوت قہر وغضب کو یوں ہی محل بے محل میں چھڑ کتے نہ پھرو، بلکہ صرف وصرف شیطان اور شیطانی طاقتوں کی طرف اپنے غضب کا رخ موڑے رکھو۔ خدانخواستہ یہی رخ امت کی طرف مڑ گیا تو ''وحدت'' کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ اسے یوں سمجھیے کہ کچی چھت پر جمع شدہ پانی کسی پرنالہ کے ذریعہ نہ نکالا جائے تو چھت توڑ کر اندر ٹپکنے لگ جاتا ہے۔ یوں ہی انسانی فطرت میں جمع شدہ غیظ وغضب کو اظہار کی متعین جگہ نہ ملے تو اپنوں پر ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔ دیکھیے قرآن کس پیرایے میں سمجھانا چاہتا ہے: ''اشداء علی الکفار رحما ء بینھم'' یعنی شدت کا رخ کفار کی طرف موڑ دینے والے نتیجتاً افراد امت کے ساتھ نرم خو ہی رہتے ہیں۔ اصحاب محمد علیہم الرضوان اسی حقیقت کا مظہر اتم تھے۔ اس مقصد کے لیے ضروری تھا کہ ہماری ترجیحات ''اسلام'' کی بنیاد پر ترتیب دی جائیں۔ اس سے لازماً ''اسلامی عصبیت'' کا ظہور ہوتا جس کا لازمی نتیجہ کفر سے نفرت ہوتا، لیکن یہاں ترجیحات مسلک کی بنیاد پر طے کی گئیں جس کی کوکھ سے خوفناک مسلکی تعصب نے جنم لیا اور یہی تعصب قینچی بن کر امت کی وحدت کو مسلسل کاٹتا چلا گیا۔ سو اہل مذہب کو اپنی مذہبی ترجیحات اسلام کی بنیاد پر طے کرنی ہوں گی۔

اس تناظر میں پڑھیے، قرآن کیا کہتا ہے: ''ان اقیموا الدین و لا تتفرقوا فیہ'' اپنی جدوجہد کا ہدف ''الدین'' کا قیام بناؤ، ورنہ تفرق وتشتت سے نہ بچ سکو گے۔ ایسا نہیں ہے کہ تمہارا مسلک ''الدین'' کے قائم مقام کی حیثیت اختیار کر لے اور تمہارے مسلک سے باہر ''الدین'' کا احاطہ بھی نہ پہنچ سکے۔ ایسا ہوگا کہ تمہارے مسلک کا دائرہ تو نہ پہنچ سکے گا البتہ ''الدین'' کا حصار اسے بھی حاوی ہوگا۔ ''الدین'' پر فوکس ہوگا تو نفرت کا رخ بھی ''غیر الدین'' کی طرف ہوگا۔ ''الدین'' کے علاوہ پر فوکس کرنے والے یقیناً نفرت کا رخ کسی نہ کسی لحاظ سے خود ''الدین'' ہی کی طرف موڑ لیں گے۔ ہمارا مدعا یوں سمجھیے کہ ہم اگر مسلک احناف سے وابستہ ہیں تو حنفیت کے حصار میں آ گئے، لیکن ''الدین'' کا دائرہ حنفیت کے دائرہ سے بہت وسیع ہے۔ چنانچہ مثلاً حنابلہ، شوافع اور مالکیہ گو حنفیت کے دائرہ میں نہ آ سکے، بہر حال ''الدین'' کے دائرہ سے باہر نہیں۔ اہل مذہب 'الدین' پر فوکس کیے بغیر امت کو ''تفرقہ'' سے نہیں بچا سکتے۔

(۸) **اسوۂ سلف کو ملحوظ رکھنا:** اہل مذہب جن عظیم ہستیوں سے اپنی نسبتوں کا دم بھرتے نہیں تھکتے، عملاً مذہبی اختلافات کے مرحلہ میں ان کے اسوہ کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ جنگ صفین کا تصور ایک خونی مذہبی اختلاف سے مرکب ہے۔ اس شدید مذہبی اختلاف کے باوجود رومیوں کی ناپاک خواہش کا جو جواب سیدنا امیر معاویہؓ نے دیا، اس جواب کا ایک ایک لفظ ''مقاصد شریعت'' پر گہری نظر اور شرعی تقاضا بدلتے ہی حکمت عملی بدل لینے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ یعنی اگر کفر نے حملہ کیا تو تقاضا علیؓ سے اتحاد کا ہو جائے گا، جس کے لیے معاویہؓ نہ صرف اتحاد کر لے گا بلکہ بطور سپاہی اپنی تمام تر توانائیاں کفر کے خلاف صرف کر دے گا۔ کم از کم پاکستان کی سُنی اکثریت کے پیش نظر دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث طبقہ میں بھی مسلکی برداشت کے گراں قدر لائق تقلید نمونے موجود ہیں جن کا بخوف طوالت سردست ذکر نہ ہو سکے گا۔ ضروری ہے کہ جن ہستیوں سے نسبت اہل مذہب کا تشخص قرار پاتا ہے اُن کے رویوں کی جھلک بھی ہمارے رویوں میں نظر آنی چاہیے۔

(۹) **اشاعت کا غیر محتاط اسلوب:** فرقہ واریت کا پودا تناور درخت بننے سے پہلے غیر محتاط لٹریچر سے خوب پانی چوس لیتا ہے۔ یہی غیر محتاط لٹریچر نااہل خطبا کو آب ودانہ مہیا کرتا ہے یوں خطیبانہ جواہر اپنے کمال تک پہنچنے سے پہلے ''فرقہ واریت'' کو کمال تک پہنچا دیتے ہیں۔ غیر ضروری اختلافی مسائل کی عوام میں اشاعت، طعن وتشنیع پر مشتمل جارحانہ طرز تحریر، مخالف پر طنزیہ فقرے چست کرنے کی ریت وغیرہ ذالک امور مذہبی لٹریچر کا ناگزیر حصہ بن کر بدترین پھوٹ کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

(۱۰) **مشترکات کو نظر انداز کرنا:** مذہبی روایت میں مخالف یا مختلف نظریہ کے حامل افراد کے محاسن عموماً بلکہ کلیتاً نظر انداز کر لیے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کا مذہبی ذہن کرید کرید کر وجوہ نزاع نکالنے میں بڑی دلچسپی سے مگن رہتا ہے، یوں صلاحیتیں تخریب میں کھپنے لگتی ہیں۔ اسی اختلاف کی تلاش کا نشہ اور تحلیل وتفسیق کا جنون مشترکات کی طرف متوجہ ہونے سے مانع رہتا ہے۔ حالانکہ امت میں شامل افراد اور جماعتوں کے مابین ایسی اساسات اتفاق ضرور پائی جاتی ہیں جن پر وحدت امت کی بنیادیں اٹھائی جاسکتی ہیں۔ آج ''تعالو الی کلمة سواء بیننا وبینکم'' میں موجود کھلی ہدایت اپنے ماننے والوں سے عمل درآمد چاہتی ہے۔

اب آئندہ سطور میں ''فرقہ واریت'' کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(۱) **اسلامی واخلاقی احکامات کی حکم عدولی:** فرقہ واریت کا ماحول دلوں میں غلو پر مبنی عقیدت قائم کرواتا ہے جس کا ردعمل دوسرے فرقوں سے شدید نفرت کے اظہار کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس موقع پر کئی اسلامی حقوق، فرقہ وارانہ جذبات کی تسکین کی خاطر بلا تردد پامال کر لیے جاتے ہیں۔ اختلافی مسائل میں اپنی برتری اور حقانیت ثابت کرنے کے جنون میں متفق علیہ ناجائز امور بھی بآسانی برت لیے جاتے ہیں۔ غیبت، بدگمانی، اہانت، تذلیل، طعن وتشنیع جیسے قبیح اخلاقی جرائم بھلا کون سا مذہبی مسلک اسلام کی رو سے جائز کہہ سکتا ہے؟ تمام اہل مذہب نے اسلام کے نام پر اپنی اپنی جماعتیں تشکیل دیں۔ پھر اسی اسلام کے بنیادی احکامات اس موڑ پر بالکلیہ نظر انداز کر ڈالے۔ بغض وحسد کے وہ شعلے بھڑکائے کہ ''حبل اللہ'' بھی جلا ڈالی۔ ''حبل اللہ'' کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی عصبیتی خواہشات بے لگام ہوگئیں، بداخلاقی کے ریکارڈ قائم کرنے میں باہمی مسابقت کا ماحول پیدا ہوگیا جس میں ہر فریق دوسرے پر بازی لینے کے لیے اخلاق وشرافت سے کوسوں دور ہوجاتا ہے۔ تفرقہ واختلاف کا ایک ہولناک طوفان اٹھا جس نے وابستگان مذہب کو اخلاقی کسمپرسی کے لق ودق بیاباں میں بے یارومددگار چھوڑ دیا۔

(۲) **دیانت دارانہ فہم واستدلال کی حکومت کا خاتمہ:** فرقہ واریت کے بڑھنے کی وجہ سے عصبیتی جذبات بھی شدت اختیار کرتے چلے گئے جس کا برا نتیجہ یہ نکلا کہ عقل واستدلال انہی منفی جذبات کے خادم بن کر رہ گئے۔ قرآن وسنت سے راہنمائی ملنے کی بجائے عصبیتی جذبات کی تسکین کا سامان تلاشا جانے لگا۔ چنانچہ وہی قرآن جس سے معمولی فہم رکھنے والے کے لیے بھی ہدایت مل جانا بآسانی ممکن تھا، فرقہ واریت کی شامت سے کئی افلاطونی دماغ بھی اس کی ہدایت تک نہ پہنچ سکے۔ بڑے بڑے دماغ لے کر قرآن کے حضور تو آئے مگر جب واپس لوٹے تو قرآنی آیات کو

مزعومات کی تائید میں کھڑا کر کے لوٹے۔قرآن نے کیا کہا؟اس کی منشا کیا تھی؟اس سے نابلد رہے۔

(۳) **علمی بددیانتی کا چلن:** علمی خیانت فرقہ واریت کا لازمی نتیجہ ہے۔ایسا ماحول دوسرے کی بات پر کما حقہ غور کرنے سے ہی مانع بن جاتا ہے۔مخالف کے موقف کو من گھڑت غلط سلط مفاہیم کا جامہ پہنا کر پروپیگنڈہ کی ساری سنتیں زندہ کر لی جاتی ہیں،پھر اس پر افسانہ آرائیوں کا اک نہ تھمنے والا سلسلہ چل پڑتا ہے۔دوسرے کو بہر حال گمرہ اور غلط ثابت کرنے کے لیے سینہ زوری اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اخلاق و دیانت ماتم کناں جبکہ جبین حیا عرق عرق ہو جاتی ہے۔جبکہ اسلام میں دیانت کا ایسا پیمانہ مطلوب ہے جس میں اپنے خلاف بھی گواہی دینا پڑ جائے تو بلا تأمل دی جا سکے۔

(۴) **ابہامات کا فروغ:** مذہبی تعبیرات میں خیانت در آنے سے جھوٹ شوشے اور ادھورے سچ کے نمونے کئی بار دیکھنے کو ملتے ہیں۔پوری حقیقت لینے کی بجائے ادھوری حقیقت لے لی جاتی ہے یا پھر حقیقت کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔اس صورت حال میں لوگوں کے لیے درست رائے قائم کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔پھر یہ ابہامات تضادات کو جنم دیتے ہیں اور تضادات تصادم کی راہ ہموار کرتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ سماجی زندگی میں انتشار،بے چینی، افراتفری اور خوف کی صورت میں نکلتا ہے۔مجموعی زندگی کا نظام اتھل پتھل ہو کر رہ جاتا ہے۔ابہام کی موجودگی علمی ونظریاتی سطح پر بدبودار جمود پیدا کر دیتی ہے عقل وفہم کا پہیہ جام ہو کر فکری ارتقاء معطل ہو جاتا ہے،بے سروپا گمانوں کی بہتات سے عقل وعلم مجروح کر دیے جاتے ہیں۔پھر یہی عقل وفکر کا بحران اک خوفناک المیہ بن کر ہمارے لیے ترقی کے سارے امکانات ختم کر لیتا ہے۔قرآن اس موقع پر واشگاف الفاظ میں یوں راہنمائی کرتا ہے کہ "**وقولوا قولا سدیدا**" کہ کچھ کہنے سے پہلے اپنی بات کو سچائی اور دیانت کے پیمانوں میں اچھی طرح تول لیا کرو۔

(۵) **تعمیری سوچ کا فقدان:** متعصب ذہن ہر ممکن حد تک مخالف سے تقابل کی فضا قائم رکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔اس کے پیش نظر اپنی برتری کا اثبات اور مخالف کو نیچا دکھانا ہوتا ہے۔اس طرز فکر وعمل سے باہمی تلخیاں پروان چڑھتی ہیں،امت کی طاقت سے کوئی تعمیری کام لینا ناممکن ہو جاتا ہے۔لوگ تخریبی طور پر سوچنے کے عادی بن جاتے ہیں،طبیعتیں مثبت طرز کے کاموں میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں کرتیں۔قرآن وسنت سے صرف نزاعی موضوعات کے اثبات وتردید کی غرض سے استناد کیا جاتا ہے۔مثبت وتعمیری رخ پہ غور طلب سینکڑوں احکامات شرع نظر انداز کر دیے جاتے ہیں،صرف اس وجہ سے کہ عموماً اہل مذہب کی دلچسپی کا سامان ردودفاع کا میدان کارزار گرم کرنا ہوتا ہے۔اسلام کے بنیادی تقاضے سمجھنے میں بھی ایسا ذہن نارسا ثابت ہوتا ہے۔

(۶) **ناحق قتل وقتال کا سلسلہ:** فرقہ واریت کا زہر پوری طرح سرایت کر جانے کے بعد مخالف کا قتل مباح سمجھ لیا جاتا ہے۔سینوں میں دھکتی یہ تعصب کی آگ خون ناحق بہائے بغیر بجھنے کا نام نہیں لیتی۔پھر یہ سلسلہ انتقام در انتقام کی صورت میں قتل وقتال کی طویل خونی داستانیں رقم کرنے لگتا ہے۔

(۷) **اسلام سے اعتماد اٹھ جانا:** فرقہ وارانہ کشمکش کے ماحول نے امت کے بڑے طبقہ کو اسلام سے ہی بیزار کر ڈالا ہے۔وہ اسلام جو اپنی خصوصیات کے اعتبار سے دنیا بھر کے انسانوں کو اپنے میں سمیٹنے کی صلاحیت رکھتا تھا،اس

کشمکش سے متاثر امت کا ایک بڑا طبقہ اسلام سے ہی بدظن ہوا بیٹھا ہے۔ یوں فرقہ واریت کی یہ زد براہ راست اسلام کے مقاصد پر جا پڑتی ہے۔ اسلام کے حسین خدوخال کافی حد تک متاثر ہو کر بدنما ہو جاتے ہیں۔ لوگ اسلام سے متنفر ہو کر ابدی خیر سے ہی محروم ہو جاتے ہیں۔

(۸) **مالی نقصانات:** علمی، فکری، دینی، اخلاقی اور جانی نقصانات کے ساتھ ساتھ ''فرقہ واریت'' کا ایک نقصان مالی نوعیت کا بھی ہے۔ مخالف کے سامنے اپنی شان وشوکت کے اظہار کیلئے مختلف طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اسراف وتبذیر کی ساری راہیں کھول دی جاتی ہیں۔ مذہب کے نام پر جمع شدہ پونجی کا خطیر حصہ فرقہ وارانہ مقاصد میں ضائع کر دیا جاتا ہے۔ غیر معیاری لٹریچر کی اشاعت، غیر ضروری جلسے جلوس وغیرہ کے مصارف کو اسراف کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

اصلاحی تجاویز

حالات سنگین ہو چکنے کے بعد بھی قابل تغیر رہتے ہیں۔ اگر انسان راست فکر اور درست عمل کو پذیرائی دینا شروع کر دے تو بگاڑ سے سدھار کا سفر یقیناً ممکن ہو جاتا ہے۔ ذیل میں چند تجاویز ''فرقہ واریت'' کے خاتمہ کی غرض سے حوالہ قرطاس کی جاتی ہیں۔

(۱) ایسی تقریر وتحریر سے اجتناب جس سے عقیدہ توحید مجروح ہوتا ہو، کسی بھی طبقہ کی محترم شخصیات وعقائد (رسول خدا، ازواج نبی، اصحاب پیغمبر، اہل بیت سلف صالحین، اولیاء کرام، ائمہ مجتہدین اور شعائر دین وغیرہ) کی اہانت کا تاثر ابھرتا ہو۔

(۲) ہر مسلک اور جماعت کے ذمہ داران خطبا حضرات کے لیے میرٹ وحدود متعین کیے جائیں، ایسا ضابطہ طے کرنا ضروری ہے جس کے ذریعے نااہل اور بے مہار خطباء منبر ومحراب سے دور رکھے جا سکیں۔ اس مقصد کے لیے چند ممکنہ صورتیں یوں ہو سکتی ہیں۔

(الف) تخصص فی الافتاء وتخصص فی الحدیث وغیرہ کی طرح کا تخصص فی الخطابہ کورس بھی باضابطہ مدارس میں کروایا جائے جس میں خطبا کے علمی واخلاقی معیار کو بہتر بنایا جائے پھر بتدریج کسی بھی خطیب کے لیے اس کورس کے بغیر خطابت ممنوع قرار دی جائے۔

(ب) یا کسی بھی مسلک یا جماعت کے ذمہ داران کی طرف سے باضابطہ اجازت نامہ حاصل کرنے کے بعد خطابت کی اجازت دی جائے۔

۳۔ ریاست اور علماء کے تعاون سے ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جس کی تصدیق کے بغیر کوئی لٹریچر شائع کرنا جرم قرار دے دیا جائے۔

۴۔ ہر مسلک کے علماء کی سپریم کونسل تشکیل کی جائے جو ہنگامی صورت حال اور دیگر مسلکی تنازعات میں مصالحتی

کمیشن کا کردار ادا کرے۔

۵۔ مذہبی تعلیمی اداروں میں وحدت امت، انسانی حقوق، اخلاقی اہمیت، دوسرے مسالک کے حقوق کی اہمیت کو اجاگر کرنے والا مفید لٹریچر شامل نصاب کیا جائے کیونکہ تعلیم وتربیت کے بغیر انسان کی اصلاح کا مؤثر ذریعہ کوئی اور نہیں۔

۶۔ مدارس کے اساتذہ علماء میں یہ شعور بطور مہم اجاگر کیا جائے کہ خود بھی اپنے طلبا کے سامنے مخالف مسالک وشخصیات کی اہانت سے باز رہیں اور طلبا کو بھی باز رکھنے کی عملی تربیتی کوشش کریں۔

۷۔ بین المسالک مشترکہ سیمینارز اور نشستیں وقتاً فوقتاً منعقد کی جایا کریں۔ طلبا وعلما ایک دوسرے کے اداروں اور جامعات کے دورے کا اہتمام کریں۔ باہمی دوریوں کی وجہ سے پیدا شدہ غلط فہمیاں آپ ہی دور ہو جائیں گی۔

۹۔ مختلف نشستوں اور پمفلٹس اور دیگر ذرائع سے علماء میں اسلام کی اساسات پر حملہ آور فتنوں (الحاد، اباحیت، دہریت، مغربیت وغیرہ) سے آگاہ کیا جاتا رہے تاوقتیکہ علماء طبقہ اپنی مخالفتوں کا رخ درست سمت موڑ لے۔

۱۰۔ اسلامی اخلاقی اصولوں کی پابندی یقینی بنائی جائے۔

۱۱۔ اختلافات کے دائروں میں فرق واضح طور پر سمجھا اور سمجھایا جائے کہ کہیں اختلاف کفر واسلام کہیں حق وباطل کا کہیں اہل قبلہ کے مابین کہیں اولیٰ غیر اولیٰ، وغیرہ ہر اختلاف کا اپنا دائرہ آداب اور احکامات ہیں۔ اس فرق کو خوب ملحوظ رکھا جائے۔

۱۲۔ اس شعور کو عام کیا جائے کہ کسی بڑے سے بڑے مخالف کے بھی آپ کے ذمہ کچھ حقوق اسلام نے لازم کیے ہیں۔ اختلاف کی آڑ میں ان حقوق کو تلف کر دینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

۱۳۔ مستند اور تربیت یافتہ جید علماء کرام کے علاوہ اختلافی مسائل چھیڑنے سے حتی الامکان باز رکھا جائے۔ چونکہ اختلافی مسائل ڈھنگ اور سلیقہ سے بیان کرنا کسی طرح افتراق کا ذریعہ نہیں بنتا۔

۱۴۔ باہمی مکالمہ کیلئے تربیت یافتہ علماء کرام کی زیر نگرانی تحریری وزبانی فورمز مہیا کیے جائیں جس کے ذریعہ علمی واستدلالی بنیادوں پر علمی مباحث کو فروغ دیا جا سکے۔

۱۵۔ اہل مذہب یہ طے کر لیں کہ بہر حال صداقت اور باہمی انصاف پر قائم رہا جائے۔ ''جنگ میں سب کچھ جائز'' کا ابلیسی اصول اختیار کر کے مخالف پر جھوٹے الزامات لگانے اور افسانے تراشنے کی دل شکنی کی جائے۔ اس طرز کے بے ہودہ طریقوں کا چلن ایک غلط ماحول تشکیل دیتا ہے۔ اہل مذہب کو بار بار آگاہ کیا جاتا رہے کہ پھر ایسا ماحول کبھی بھی تعاون ومفاہمت کے لیے نہیں بلکہ تصادم ومزاحمت کیلئے ہی سازگار رہے گا۔ پھر نتیجہ اس کے سوا نہ نکلے گا کہ اس بے ہودہ طریقے کو مفید سمجھنے والے خود بھی نہ بچ سکیں گے۔

۱۶۔ اہل مذہب کو اب علمی ناز بہر حال ترک کرنا ہوگا۔ رائے رکھنے کے جملہ حقوق اپنے ہی نام محفوظ کر لینا یقیناً انفرادیت کا وہ مبالغہ ہے جو اجتماعی زندگی میں کبھی بھی نبھ نہیں سکتا ہے۔ اب اپنی رائے کا وزن دھونس دھاندلی کی بجائے علم واستدلال کی بنا پر تسلیم کروایا جا سکتا ہے۔ جبر وتشدد کے زور پر کشمکش، مزاحمت، بدمزگی کا ماحول پیدا کر کے

اپنی رائے شاید وقتی طور پر کہیں مسلط تو ہو سکے مگر کامیاب نہ ہو سکے گی۔ کامیابی کے لیے بہر حال امت کی طرف سے قبولیت اور دلی رضامندی ناگزیر ہے۔

۱۷۔ انفرادی عصبیت کی بجائے ملی و اسلامی مفادات پیش نظر رکھنا ضروری ہیں چونکہ ہر تعصب جواب میں ایک دوسرے تعصب کو پیدا کر دیتا ہے، یوں تعصب کے مقابلے میں تعصب کشمکش پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۱۸۔ جماعت یا پارٹی بنانے کا عمل اتنا آزادانہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے لیے شرائط طے کرنا ضروری ہیں، بالخصوص پارٹی سربراہ کے لیے شرائط و میرٹ طے کرنا ضروری ہے۔ کم از کم ہر مذہبی جماعت کا سربراہ ایک مستند عالم دین، ملی و اسلامی مفادات پر گہری نظر رکھنے والا عصری تقاضوں کا ادراک رکھنے والا تو ہونا چاہیے۔

۱۹۔ بین المسالک حقوق کا تعین انتظامیہ اور علماء کی مشاورت سے طے کر کے مساویانہ عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔ مذہبی جلسے جلوس کی حدود متعین کی جائیں۔

۲۰۔ ملی یکجہتی کونسل کی (17) نکاتی سفارشات پر عملدرآمد کیا جائے۔

۲۱۔ بعض مسلکی تنازعات مٹانے کی غرض سے سابق میں کی گئی کاوشوں پر عملدرآمد بھی ضروری ہے۔ ''المہند علی المفند''، ''فیصلہ ہفت مسئلہ''، ''31 علماء کے 23 نکات''، ''تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ''، ''تحریک ختم نبوت'' وغیرذالک۔ ان کاوشوں و تجربات کی روشنی میں وحدت امت کے ہدف کی طرف سفر کا پھر سے آغاز کیا جاء۔

۲۲۔ سوشل میڈیا کے ذریعے اشتعال انگیز مواد کی سرکولیشن روکی جائے۔

آخر میں قرآن مقدس کی روشنی میں ''تفرق'' سے بچنے کے نسخہ پر بھی غور کر لیتے ہیں جسے قرآن حکیم نے یوں بیان فرمایا ہے: ''**واعتصموا بحبل اللہ**'' یعنی پھر سے رجوع الی القرآن کیا جائے۔ آگے فرمایا: ''**ولاتفرقوا**''۔ قابل غور امر یہ ہے کہ ''**ولاتختلفوا**'' نہیں فرمایا۔ مطلب یہ کہ اختلاف کا مٹنا تو ممکن نہیں، البتہ اختلافات کو تحزب و تفرق کا ذریعہ مت بناؤ۔ ایک دوسرے موقع پر یوں ارشاد ہوتا ہے ''**ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً**''، یعنی دلوں میں اللہ کا ڈر رکھنے والے اور خود کو برائی سے دور رکھنے میں سنجیدہ افراد ''تقویٰ'' کی پونجی بڑھاتے جائیں، اللہ اختلافات میں امتیاز کی قوت عطاء فرمائے گا۔ یہ تقویٰ کیا ہے؟ چھوٹے بڑے، کھلے چھپے، حقوق اللہ و حقوق العباد اور اعضا و قلب کے گناہوں سے بچنا۔ ایسی صفات والا شخص کبھی اختلافات میں نہ الجھے گا۔

اب یہ تقویٰ حاصل کیسے ہو؟ ایک موقع پر یوں ارشاد ہوتا ہے: ''**یا ایھاالذین اٰمنو اتقواللہ و کونو مع الصادقین**'' یعنی ان لوگوں کی معیت اختیار کی جائے جو زبان، دل، عقیدہ، فکر و عمل اور کردار کے سچے ہیں۔ قرآن کی مطلوب ان صفات کو اپنے میں پیدا کرنے والے فرقہ واریت جیسے سنگین گناہ میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ شریعت اسلام میں مجبوری کی حالت میں خنزیر کا گوشت کھانا تو حلال ہو سکتا ہے مگر فرقہ واریت اور تفرقہ بازی کسی صورت جائز قرار نہیں دی جا سکتی۔